شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات

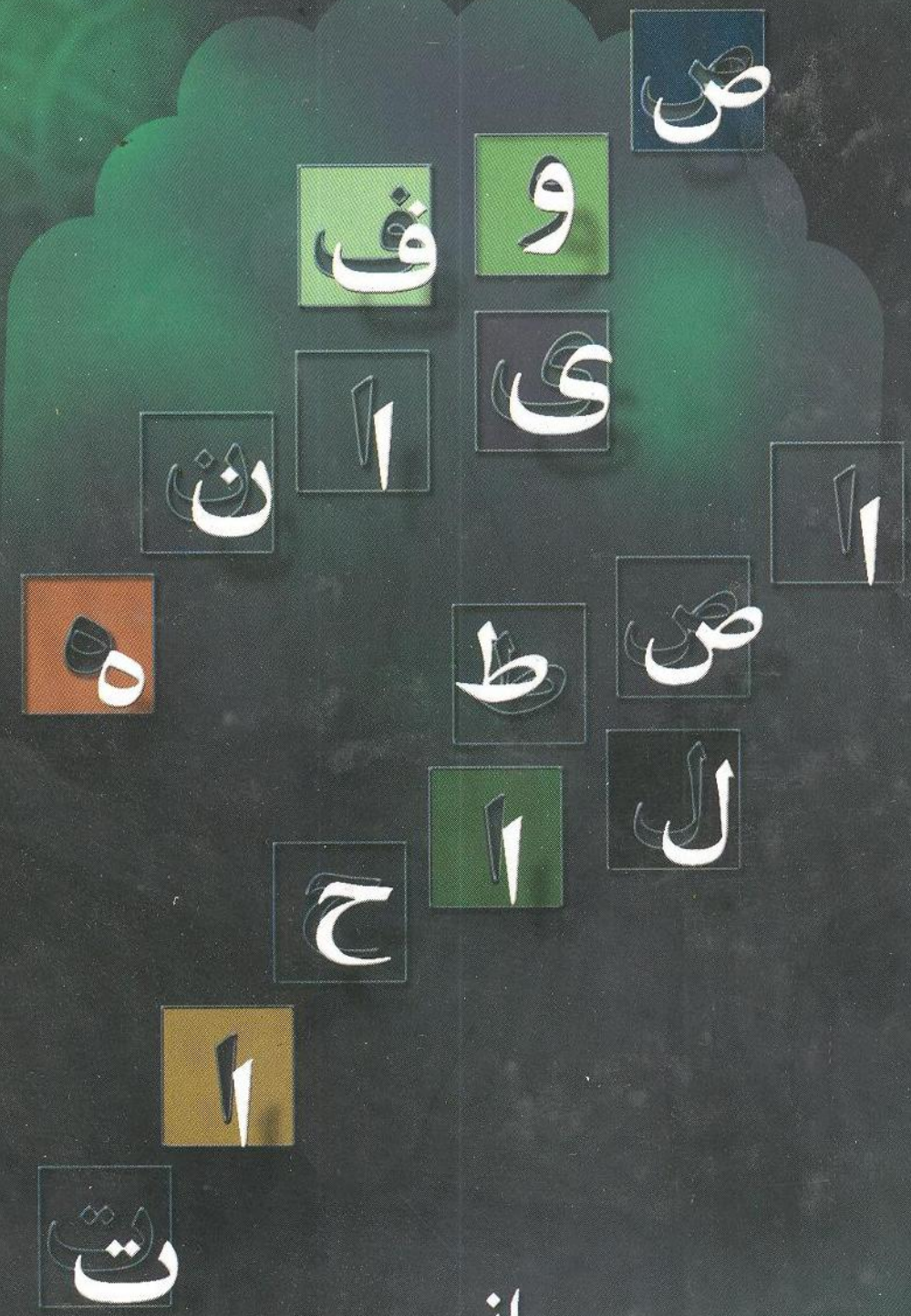

از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات

اشاعت اول ۲۰۰۹ء

تعداد ۵۰۰

کمپوزنگ .... احمد گرافکس، کراچی

طباعت .... ویلکم بک پورٹ، کراچی

سرِ ورق .... جمیل الدین قریشی

ہدیہ .... -/300 Rs

ویب سائٹ: .... www.agharang.org

ای میل: .... info@agharang.org

ملنے کا پتہ .... (۱) ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔

(۲) مکتبۂ رضویہ، گاڑی کھاتہ، کراچی۔

(۳) نظامی کتب خانہ، باباصاحبؒ بازار، پاک پتن۔

فہرست

عنوان	صفحہ
مقصد تحریر	۳
دیباچہ	۱۱
الف	۲۱
ابر۔ ابرو۔ ابلیس۔ اسیر۔ انا (اناالحق)۔ انجمن۔ ایمان و کفر۔ آب حیات۔ آستاں۔ آشنائی۔ آغوش۔ آفت۔ آفتاب۔ آہ۔ آہو	
ب	۴۸
بادصبا۔ بادہ۔ بادہ نوش۔ بادہ فروش۔ باراں۔ باطل۔ بام۔ بانگ جرس۔ بت۔ بت ترسا بچہ۔ بتکدہ (بتخانہ۔ دیر)۔ برق۔ برقعہ۔ برھمن۔ بلا۔ بلبل (عندلیب)۔ بندگی۔ بوستاں (بستاں۔ گلستاں۔ چمن۔ گلشن۔ لالہ زار)۔ بوسہ۔ بہار۔ بہشت و دوزخ۔ بیابان۔ بیداری۔ بیگانگی۔ بیماری	
پ	۷۸
پارسائی۔ پردہ۔ پری۔ پیالہ (پیمانہ۔ ساغر۔ جام)۔ پیر (پیر میکدہ۔ پیر مغاں)۔ پیشانی	
ت	۸۵
تاج۔ تجلی۔ ترسائی۔ تقویٰ۔ توبہ	
ج	۸۹
جام۔ جان (جانِ جاں۔ جانِ جانان)۔ جرعہ۔ جمال و جلال۔ جور و جفا	
چ	۹۷
چاہِ زنخ۔ چاہ غبغب۔ چاہ ذقن۔ چشم۔ چہرہ (رخ۔ رو)	
ح	۱۰۹
حال و مقام۔ حباب۔ حج۔ حجاب۔ حجلہ (حجرہ)۔ حسن و جمال۔ حشر و نشر۔ حق۔ حقیقت۔ حیات	
خ	۱۱۲
خارِ راہ۔ خال، خانقاہ۔ خد۔ خُدا، خراب۔ خرابات۔ خراباتی۔ خط۔ خلوت۔ خم۔ خُم۔ خمار۔ خمر۔ خمّار (مے فروش)۔ خمخانہ۔ خودی	

د	۱۲۶
دام۔ درخت۔ درد۔ دریا۔ دل۔ دلبری۔ دنیا۔ دوری۔ دوزخ۔ دہن۔ دَیر۔ دیوانہ	
ذ	۱۳۲
ذات۔ ذکر۔ ذوق	
ر	۱۳۳
(رخ۔ رو۔ صورت۔ شکل)۔ رخسار (عارض)۔ رسم۔ رسوائی (رسوا)۔ رضا۔ رقیب۔ رنج و راحت۔ رند۔ روح۔ روز وشب۔ رویت۔ ریا	
ز	۱۴۱
زاد راہ۔ زاہد۔ زبان۔ زلف۔ زلف و رخ۔ زنّار۔ زنخ (زنخداں)۔ زندگی	
س	۱۵۱
ساربان۔ ساغر۔ ساقی۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ سرکش۔ سفر۔ سکر۔ سلوک۔ سماع۔ سیر۔ سیمرغ	
ش	۱۵۸
شاہد۔ شب۔ شب وروز۔ شباب۔ شبنم۔ شراب۔ شراب خانہ۔ شعور۔ شکر۔ شکل۔ شمع۔ شوخی۔ شوق۔ شہادت۔ شہر۔ شہود۔ شیخ۔ شیدا۔ شیطان	
ص	۱۶۸
صبح و شام۔ صبر۔ صدا۔ صراحی۔ صنم۔ صورت۔ صومعہ۔ صہبا۔ صیاد (صید)	
ط	۱۷۲
طبیب۔ طلب۔ طور	
ظ	۱۷۵
ظالم۔ ظل۔ ظلمات۔ ظہور وبطون	
ع	۱۷۷
عابد۔ عارض۔ عاشق۔ عارف۔ عالم۔ عالم۔ عبادت۔ عبودیت (عبدیت)۔ عدم۔ عذاب۔ عرس۔ عشق۔ عشوہ۔ عطر۔ عطار۔ علاج۔ علم۔ عنقا۔ عید۔ عیش۔ عین	
غ	۱۸۷
غارت گر۔ ہوش وحواس۔ غافل۔ غبغب۔ غبار۔ غربت۔ غزال۔ غضب۔ غم۔ غمزہ۔ غیب۔ غیر۔	

غنچہ۔غیرت

ف ۱۹۰

فتنہ (فتنہ انگیز۔فتنہ انداز۔فتنہ گر۔ فتنہ خیز)۔ فدا۔ فراق۔ فردوس۔ فریاد۔فریب۔فقر۔فقیر۔فنا۔فیض ا

ق ۱۹۳

قاب قوسین۔ قاتل۔ قامت۔ قبلہ۔قد۔قدح۔قرآن۔قرب و بعد۔ قضا۔ قفس۔ قلب۔ قمر۔ قیامت۔قید

ک ۲۰۲

کافر ادا۔ کاکل۔ کانٹا۔ کباب۔ کتاب۔ کثرت۔ کعبہ۔ کلی۔ کملی (کمل۔کمبل)۔ کُن۔ کنشست۔ کون۔ کوہ۔ کوہ آدم۔ کوہ بے ستون۔ کوہِ جودی۔ کوہ طورسینا۔ کوہ صفا ومروہ۔کوہ قاف۔کوہ کن۔ کیمیا۔کینہ

گ ۲۱۱

گفتگو۔ گُل۔ گلزار (گلشن۔ گلستاں۔گلدہ۔چمن)۔گوہر۔گیسو

ل ۲۱۳

لامکان۔ لاہوت۔ لَب۔ لبِ لعل۔ لطف۔ لغزش۔ لیل۔ لیلتہ القدر۔لیلیٰ مجنوں

م ۲۱۸

ماتم۔ ماتھا۔ ماجرا۔ مار۔ ماسوا۔ماہِ کنعان۔ ماہ نخشب۔ متوالا۔ مٹنا۔ مجاز۔ مجاہدہ۔ مجلس۔ محبوب۔ محبت۔ محتسب۔ محشر۔ محراب۔ محفل۔ محویت (محو)۔ محمل۔ مخمور۔ مدہوشی۔ مدرسہ۔ مراد۔ مرید۔ مرشد۔ مژہ (مژگان)۔ مسافرت۔ مستی (مست)۔مسجد۔مشاہدہ۔مصحف۔ موت۔ مے۔معراج۔ میخانہ (میکدہ۔خرابات)۔مطرب۔

ن ۲۳۳

ناز۔نازونیاز۔نازنین۔ناسوت۔ ناقوس۔ نالہ۔ نامرادی۔ ناوک (ناوک انداز)۔ نجات۔ نجم۔ نذر۔نرگس۔نسبت۔نسیم۔نعلین۔ نفس۔نقاب۔نماز۔نور۔نے

و ۲۴۷

وابستگی۔ واسطہ۔ وجد۔ وسیلہ۔ وصال۔ وفا	
ہ	۲۵۰
ھجر۔ ھو۔ ہجوم۔ ہدایت۔ ہشیاری۔ ہستی۔ ہلال۔ ہندو	
ی	۲۵۴
یاد۔ یار۔ یثرب۔ یقین	
ھندی	۲۵۶
بسنت۔ ہولی۔ پنگھٹ۔ سہاگ۔ شادی بیاہ۔ گھونگھٹ۔ سہاگ۔ رنگریجوا (رنگریز)	

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ مقصدِ تحریر

قارئین کرام یہ کوئی باقاعدہ لغت نہیں ہے کہ جس میں تصوف سے متعلق تمام الفاظ کے معنی تلاش کیے جائیں صرف چند الفاظ کی تشریح کی گئی ہے جو عام طور پر اشعار میں استعمال ہوتے ہیں۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ صوفیائے کرام مجاز میں حقیقت کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ ان الفاظ کی علمی اور لغوی تشریح اپنی جگہ ہے ان تشریحات کو ان سے الگ کر کے دیکھنا چاہیے۔ گویا یہ ایک لحاظ سے استعارے کی زبان ہے جیسے ہم سب جانتے ہیں کہ آگ ایک گرم اور جلا دینے والی چیز ہے لیکن استعارے کی زبان میں غصّہ کو بھی آگ کہتے ہیں حسد کو بھی آگ کہتے ہیں۔ کبھی عشق کو بھی آگ کہتے ہیں اور آگ کو بھی آگ کہتے ہیں۔ لغت میں غصہ کے معنی آگ کہیں نہیں ملیں گے۔ یہ سب اصطلاحاً سمجھے جاتے ہیں۔ شاعری میں استعارے کی زبان عام ہے بلکہ شاعری کے حسن میں اضافہ کا سبب سمجھا جاتا ہے یعنی لفظ کے معنی عام مفہوم سے ہٹ کر لیے جاتے ہیں۔ شمع پروانہ یا لیلی مجنوں شعری زبان میں الگ معنی رکھتے ہیں۔ ادب کا ایک ادنی طالب علم بھی شمع کے معنی موم بتی یا پروانہ کے معنی اس کیڑے کے نہیں لیتا جو موم بتی کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے بلکہ ذہن فوراً عاشق اور محبوب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب اسی قسم کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ وہ بھی چند الفاظ ہیں جو زیادہ مستعمل ہیں یا ایسے الفاظ ہیں جن کا استعمال بظاہر قابل اعتراض نظر آتا ہے۔ مثلاً شراب اور نشہ کا ذکر کثرت سے صوفی شعرا کے یہاں ملے گا جس سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ شراب۔ میخانہ اور اس کے لوازمات ان حضرات کو بہت مرغوب ہیں یا بت اور پوجا کے الفاظ اس طرح استعمال ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی ان لوگوں کا شعار رہا ہے اور بتخانہ کعبہ سے بہتر ہے یا ایمان و کفر کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ ایمان کے مقابلہ میں

کفر قابل ترجیح نظر آتا ہے۔ شاعر پر نظر ڈالئے تو وہ نہایت متقی، پابند شریعت، تہجد گزار، صوفی باصفا ہوگا جن سے اس قسم کی بظاہر لغویات کی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔

یہ کتاب لکھنے کی تحریک مجھے یوں ہوئی کہ بعض پڑھے لکھے لوگوں نے مجھے کچھ اشعار سنائے اور پوچھا کہ یہ کس طرح کے بزرگ ہیں جو بجائے تبلیغ ایمان کفر کی ترغیب دیتے ہیں اور بت کدہ کو حرم پر ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے جو شعر سنائے ان میں ایک تو یہ تھا۔

کافر عشق ہوں میں بندہ اسلام نہیں　　بت پرستی کے سوا اور مجھے کام نہیں

دوسرا شعر یہ تھا۔

اسلام را گذاشتہ در عشقِ آں صنم　　مسجد خراب کردہ بہ دیر آمدہ ایم

(یعنی اس بت کے عشق میں، میں نے اسلام کو چھوڑ دیا اور مسجد کو برباد کر کے بت خانہ میں آ گیا ہوں)۔

یہ دونوں اشعار حضرت شاہ نیاز بریلویؒ کے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کا یہ شعر سنایا۔

روم در بت کدہ شینم بہ پیش بت کنم سجدہ　　اگر یابم خریدارے فروشم دین وایماں را

(یعنی میں براہوں کہ بتکدہ جاتا ہوں اور بت کو سجدہ کرتا ہوں۔ اگر کوئی خریدار مل جائے تو میں اپنے دین وایمان کو فروخت کردوں)۔

انہوں نے مجھ سے کہا کہ صاحب اگر ایمان ہی نہ رہا تو پھر آپ کیسے مسلمان ہیں۔ حالانکہ اس شعر میں خیر کا پہلو بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی سوچ اسی انداز کی ہے زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو تصوف کی تعلیم سے زیادہ واقف نہیں۔ متعدد لوگوں سے اس قسم کے خیالات سننے میں آئے تو خیال ہوا کہ اپنی محدود معلومات کی حد تک اس قسم کے الفاظ اور مضامین کی کچھ تشریح لکھوں تا کہ لوگ سمجھ سکیں کہ اولیاء اللہ اس قسم کے مضامین کو کس نکتۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر کچھ اس قسم کے مناظر دیکھنے میں آئے اور لوگ اکثر دیکھتے ہوں گے کہ محافل سماع میں

حال۔ رقص و وجد کا ایک طوفان بپا ہے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی نظر آتی ہے جو تعلیم سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ فارسی تو درکنار اردو سے بھی صحیح طور سے واقف نہیں ہوتے اور کسی فارسی شعر پر وجد سے بے حال ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات محض ساز کے زیر و بم سے جس میں مضمون کو کوئی دخل نہیں ہوتا وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حتی کہ دھنئے کی تن تن سے۔ چاندنی کے ورق کوٹنے کی ٹھک ٹھک سے بزرگان دین پر کیفیت طاری ہوئی ہے لیکن یہ خصوصی وجدان ہے۔ غلط لوگوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا ہے اور فضول دھما چوکڑی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو علم کے لحاظ سے صورت ببیں حالت مپرس کے مصداق ہوتے ہیں۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ میرا مقصد کسی کا مذاق اڑانا نہیں۔ اس قسم کی محافل میں کوئی روحانی بالیدگی ہوتی ہے یا نہیں یا اگر ہوتی ہے تو کس نوعیت کی ہوتی ہے تو یہ صاحب محفل ہی جانتے ہوں گے۔ کسی شریک محفل کی کیا نیت ہوتی ہے اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس سلسلہ میں شک کرنا اور کچھ لکھنا مناسب نہیں۔ وجد و حال کے لیے حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:۔

''یہاں یہ نہ سمجھئے کہ شعر کے معانی سمجھنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے بلکہ صرف ستار کی آواز ہی میں یہ تاثیر ہوتی ہے۔ اگر کسی کو بہار اور اس کی چٹختی ہوئی کلیاں نیز بربط اور اس کے تاروں کے نغمے متاثر نہ کریں تو وہ لاعلاج فاسد المزاج ہے۔ فہم معانی کا یہاں کیا دخل''۔

لیکن بہر حال اس کے لیے بھی بصیرت چاہیے۔ یہ خصوصی کیفیات ہیں اس کو عمومی طور پر قابل اعتناء نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس میں جذباتیت کو زیادہ دخل ہوتا ہے ورنہ عام طور سے صحیح علم اور صحیح عمل اولین شرط ہے۔ کسی عمل کو سمجھ کر کرنا اور بات ہے اور بغیر سمجھے کرنا دوسری بات۔ مرشد کی تعلیمات اس کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہیں جس پر عمل کر کے اور ریاضات و مجاہدات کی منزل سے گزر کر پھر آدمی صاحبِ حال ہوتا ہے پھر محض ستار کی ٹن ٹن پر بھی رقص کر سکتا ہے، ڈھولک کی ٹھک ٹھک پر بھی رقص کر سکتا ہے بلکہ ہوا کی سائیں سائیں اور

سمندری لہروں کا شور بھی اس کے وجد کے لیے کافی ہے۔ ایسے نمائشی لوگوں کے اس طرزِ عمل سے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ طبقہ اس قسم کی مجالس سے پہلو تہی کرنے لگا ہے۔

بایں ہمہ عشق و محبت کی دنیا الگ ہے جہاں عقل کا پجاری عشق کی دیوی کے آگے سر بہ سجود ہوتا ہے۔ جہاں عقل کا محتسب میکدہ میں آ کر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت مرشد سے نسبت کسی کی میراث نہیں۔ نہ اس کا تعلق علم و دانش سے ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض کم علم بلکہ ان پڑھ لوگ حضور سرورِ دو عالمؐ کا محض اسم گرامی سن کر تڑپ جاتے ہیں۔ آنکھیں پرآب ہو جاتی ہیں۔ اپنے مرشد کا نام سن کر بعض لوگ سر جھکا دیتے ہیں۔ مرشد سے تعلق کی ہر چیز کو آنکھوں سے لگاتے ہیں، چومتے ہیں بلکہ رقص کرنے لگتے ہیں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھیں خود حضور سرورِ کائناتؐ کی حیات میں بھی ایسے کئی واقعات ملیں گے۔ بزرگانِ دین کے تذکرے اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا نہ فہم و دانش کی ترازو میں تولا جا سکتا ہے۔ اس پر مکمل گفتگو کا یہ محل نہیں صرف حوالہ دیا ہے مثالیں دینے سے بات بڑھ جائے گی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

خود میری ان گنہگار آنکھوں نے ایسے مناظر دیکھے ہیں جن کی عقلی توجیہہ ممکن نہیں۔ انسان کا خلوص اور ریا چھپنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ طبیعت کا سوز و گداز، والہانہ محبت اور عشق کی چبھن اصل محرک ہے۔ جس کا عقل و خرد سے کوئی واسطہ نہیں بقول شاہ نیازؒ

عقل کے مدرسہ سے اٹھ عشق کے میکدے میں آ جام فنا و بے خودی اب تو پیا جو ہو سو ہو

میرا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جہاں ہمہ وقت اللہ ہو کی صدائیں گونجتی تھیں لیکن ساتھ ہی ڈھولک کی تھاپ بھی کانوں میں رس گھولتی تھی۔ میرے والد حضرت شاہ مرتضیٰ حسینؒ اور میرے دادا حضرت شاہ آغا محمدؒ تہجد گزار صاحب حال صوفی تھے۔ لیکن قوالی کے بھی شوقین تھے۔ بلکہ میرے والد کو علم موسیقی سے بھی حظ تھا۔ اس ماحول کا اثر یقیناً مجھ پر بھی پڑنا ناگزیر تھا۔ موسیقی کی تھوڑی شد بد مجھے بھی ہمیشہ رہی۔ ستار میں بہت اچھا بجاتا تھا۔ ستار

بہت مشکل ساز ہے اور سب جانتے ہیں کہ ستار نواز دوسرے سازوں کو بھی بجانے میں سہولت محسوس کرتا ہے۔ میں نے یہ فن باقاعدہ مدھ پردیش (انڈیا) کے مشہور ستار نواز استاد منور خان سے سیکھا تھا۔ اب حالانکہ پریکٹس نہ ہونے سے تقریباً بھول چکا ہوں لیکن سر، تال، راگ راگنی سے تھوڑی بہت واقفیت باقی ہے۔ گانے والا اگر کہیں سُر سے الگ ہوتا ہے تو کانوں کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ طبعاً ایسی موسیقی پسند ہے جس میں فنی چاشنی شامل ہوتی ہے کلام اچھا بھی ہو اگر لے سے ہٹا ہوا ہو تو دل قبول نہیں کرتا۔ بزرگان دین میں بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جو فن موسیقی میں بھی ماہر تھے۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ وہ نہ صرف ماہر تھے بلکہ کئی راگوں اور کئی سازوں کے موجد تھے۔ اوائل میں کئی حضرات گزرے ہیں جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ آخری دور کے مشہور بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جن کا علم و فضل اور تدیّن کسی سے مخفی نہیں۔ فن موسیقی کے ماہر تھے۔ دہلی میں اگر موسیقاروں کو کسی بات پر اختلاف ہوتا تو تحقیق اور تصدیق کے لیے شاہ صاحب کے پاس آتے۔ امام غزالیؒ اور امام رازی بھی ماہرین میں سے تھے۔ امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' میں فن موسیقی، اس کے اقسام، مزامیر اور ان کی قسمیں۔ ان کی تاثیر اور حدود حلال و حرام۔ غرض ہر پہلو پر بحث کی ہے ان سب کے بیانات باعث طوالت اور خارج از موضوع ہیں۔ یہ اس لیے ذکر ہوا کہ ساز و نغمہ کا تعلق شعر سے بہت واضح ہے کیونکہ یہ سب فنون لطیفہ کے زمرہ میں آتا ہے جن کا تعلق احساس لطیف اور جمال پسندی سے ہے۔ بقول امام غزالیؒ جو ان احساسات لطیف سے عاری ہے وہ ناقص ہے۔ راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔ روحانیت سے دور ہے۔ طبیعت کی سختی اور کثافت میں بہائم سے بڑھ کر ہے۔

سر اور تال پر یاد آیا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے لیے بھی خوش الحانی پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ رسمی سر اور تال نہ سہی لیکن ایک نغمگی اور ایک آہنگ (Rythim) ضرور کانوں کو بھلا لگتا ہے جس سے معانی نہ سمجھنے کے باوجود سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوتی

ہے۔ بے سری اور بھونڈی آواز میں تلاوت یا اذان کی آواز کسی کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ یہ کیفیت دراصل اسی احساسِ جمال کا نتیجہ ہے بہت سی احادیث اور مناقب قوالی میں لوگوں نے سنے ہوں گے جس سے طبیعت میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ قوالی میں ''قول'' ''ترانہ'' لوگوں میں بہت مقبول ہے جو حضرت امیر خسروؒ کی ایجاد ہے اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ صدیوں گزر جانے کے باوجود لوگ سر دھنتے ہیں۔ یہ قول صوفیوں کی محفل میں یوں گایا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک حدیث ہے۔ یہ الفاظ ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمائے تھے جس کا مطلب ہے جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں۔

من کنت مولا فعلی مولاہ دُھر تو م دِھر تو م تو م تانا نالی یُللیِ یَللیَ یل لَلی من کنت مولا فعلی مولا۔ بعض لوگ ان الفاظ کو بے معنی قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صرف نغمائیت کی خاطر یہ الفاظ بڑھا لیے گئے ہیں لیکن استاد امیر خاں (۱۹۱۲۔۱۹۷۱ء) نے جو ہندوستان کے بہت بڑے موسیقار سمجھے جاتے ہیں اس پر تحقیق کی ہے۔ ان کی تشریح یہ ہے:

بول: تنن درا۔ اودانی تو دانی۔ نادردانی تو م یالا یالی

تشریح: تنن درا (تن اندر آ) یعنی میرے جسم کے اندر آ۔ اودانی (وہ جانتا ہے) تو دانی (تو جانتا ہے۔ نادردانی (تو سب سے زیادہ جانتا ہے)۔

تو م (تو۔ام) یعنی میں تو ہوں۔ یالا (یا اللہ) یالی (یا علی)۔

دوسری صورت یہ ہے:

بول: دردارا درتن تن اندر آ تو م نادردانی تن دردانی

تشریح: در (اندر۔ میں) دارا (در آ یعنی اندر آ) درتن (جسم کے اندر) تن اندر آ (جسم کے اندر آ) تو م (تو۔ام یعنی میں تو ہوں)۔ نادردانی (تو سب سے زیادہ جانتا ہے)۔ تن دردانی (جسم کے اندر کا جاننے والا)۔

اس کی خوبصورت دُھن غالباً خود حضرت امیر خسروؒ کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ مجھے اس کی دُھن اچھی طرح آتی ہے لیکن اس کو کاغذ پر منتقل کرنا مشکل ہے۔

میں نے تحریر میں یہ التزام کیا ہے کہ الفاظ کے مفہوم کے ساتھ کچھ اشعار بطور دلیل لکھے ہیں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ صرف میں ہی نہیں دیگر بزرگانِ دین بھی ان مطالب میں میرے ہمنوا ہیں۔ سوائے چند سب اشعار صوفیائے کرام کے کلام سے لیے گئے ہیں۔ اشعار ہر لفظ کے ساتھ ہو سکتے تھے۔ مگر باعث طوالت ہوتا اور غیر ضروری بھی۔ اشعار کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چھانٹنے کے باوجود زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کی طرف زیادہ توجہ دی ہے جو خصوصی طور پر میرے نزدیک قابل تشریح ہیں یا جن کے معانی عام ڈگر سے ہٹ کر ہیں یا عام معنی میں بظاہر بہت سے مفسدات کا دروازہ کھلنے کا امکان پیدا کرتے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ گلہ ہو کہ اشعار تقریباً سب فارسی کے ہیں۔ وجہ بہت واضح ہے کہ اردو میں جو وسعت اب نظر آتی ہے یہ پہلے نہیں تھی۔ مجلسی اور سرکاری زبان فارسی تھی۔ تصوف کے عمیق و دقیق مسائل اس زمانہ کی اردو زبان میں بیان کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے صوفی شعراء نے بھی فارسی ہی کو ذریعہ اظہار بنایا تھا۔

تشریحات کا ماخذ میرے مرشد گرامی کے ارشادات ہیں۔ پھر صحبت سے خود بھی دماغ میں کچھ روشنی پیدا ہو جاتی ہے ان کی عادت تھی کہ سماع کی محفل کے بعد اکثر قابل توجہ اشعار کے مطالب بیان فرماتے۔

یہاں یہ اعتراف ضروری ہے کہ مجھے سب سے زیادہ مدد حضرت سید محمد ذوقی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی مفید کتاب ''سرِّ دلبراں'' سے ملی۔ میں نے جگہ جگہ اس کے حوالے دیئے ہیں لیکن اگر کہیں حوالہ نہ بھی نظر آئے تو یہ اعتراف بحیثیت مجموعی کافی ہے۔

یہ دعوی کہ ہم نے جو توجیہہ کی ہے وہی صحیح ہے غلط ہے۔ یہ صرف ذاتی نکتۂ نظر ہے جس کا ماخذ بزرگانِ دین کی تعلیمات ہیں۔ لوگوں کو اختلاف کا حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ذاتی

ذوق کے مطابق جو معانی منکشف ہوں وہی صحیح ہیں۔ لیکن ذوق تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔

مجھے امید ہے کہ ان تشریحات سے حقیقت کے متلاشی لوگوں کو ایک گائڈ لائن مل جائے گی جس سے ان کے دماغ کے دریچے وا ہونے میں مدد ملے گی اور یہی میرا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔

آخر میں اُن حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طرح میری معاونت فرمائی سب سے زیادہ قابلِ ذکر نام محمد رفیق اللہ انصاری عرف رضی کا ہے جن کی استعانت کے بغیر یہی نہیں بلکہ میری کوئی بھی کتاب اشاعت پذیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے بیٹے قابل تعریف ہیں جو میری ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اس کتاب کی طباعت کے جملہ اخراجات ان کے بیٹے محمد توصیف انصاری اور ان کی بیگم ثنا نے اپنے سر لیے ہیں۔ رضی سلمہ میری پھوپی زاد بہن کے نواسے ہیں۔ اتنے چھوٹے بچوں کا شکریہ ادا کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دعائیں ضرور دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو دین و دنیا میں سرخ رو رکھے۔

خادم الفقرا میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی